کشمیری زبان وثقافت پر 'ہندوتوا یلغار'

افتخار گیلانی

بھارت میں وزیراعظم نریندر مودی کے برسراقتدار آنے سے قبل یا اس کے فوراً بعد کشمیر، بھارتی مسلمانوں اور پاکستان کے حوالے سے جو خدشات ظاہر کیے جارہے تھے، ایک ایک کرکے وہ سبھی درست ثابت ہو رہے ہیں۔ غالباً ۲۰۱۴ء اور ۲۰۱۵ء میں جب ان خطرات سے آگاہ کرانے کے لیے میں نے مودی کا کشمیر روڈ میپ، کشمیر میں ڈوگرہ راج کی واپسی وغیرہ جیسے موضوعات پر کالم لکھے تو کئی افراد نے 'قنوطیت پسندی' کا خطاب دے کر مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کانگریس کی کمزور اور پس وپیش میں مبتلا سیکولر حکومت کے برعکس، بھارت میں ایک سخت گیر اور خبط عظمت کے شکار حکمران کو رام کرنا یا شیشے میں اتارنا زیادہ آسان ہوگا۔ اس سلسلے میں بار بار ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء کی مرارجی ڈیسائی کی جنتا پارٹی حکومت اور پھر ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۴ء تک بھارتیہ جنتا پارٹی کی زیر قیادت اٹل بہاری واجپائی کے دور کی یاد دلائی جاتی تھی۔ لیکن جب 'ڈوگرہ راج کی واپسی' مضمون لکھا تو آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے چند دانش وروں نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان مضامین کی بنیاد خیالی گھوڑے یا کوئی غیبی اشارہ نہ تھا، بلکہ مختلف لیڈروں کی بریفنگ پر مبنی معلومات ہی تھیں۔

مجھے یاد ہے ۲۰۱۴ء کے عام انتخابات سے قبل جب موجودہ وزیر داخلہ امیت شا کو اہم انتخابی صوبہ اتر پردیش کا انچارج بنایا گیا، تو راجیہ سبھا میں اپوزیشن لیڈر آنجہانی ارون جیٹلی نے قومی میڈیا کے کچھ چنیدہ صحافیوں اور دہلی کے دیگر عمائدین سے ان کو متعارف کروانے اور ملاقات کے لیے اپنی رہایش گاہ پر ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ اس سے قبل امیت شا گجرات صوبہ کے

وزیر داخلہ کی حیثیت سے فسادات، سہراب الدین اور ان کی اہلیہ کا پولیس انکاونٹر کروانے اور اس کی پاداش میں جیل کی ہوا کھانے اور پھر عدالت کی طرف سے تڑی پار ہونے کے لیے ہی مشہور تھے۔ اس تقریب میں وہ ہندستان ٹائمز کے ایک ایڈیٹر ونود شرما پر خوب برس پڑے کہ ''تم ہر وقت ان کے خلاف ہی کیوں لکھتے رہتے ہو''۔

ان کی گفتگو سے اندازہ ہو گیا تھا کہ مودی کا دور اقتدار، واجپائی حکومت سے مختلف ہوگا۔ واجپائی حکومت میں جارج فرنانڈیز، جسونت سنگھ اور دیگر اتحادیوں کی شکل میں جو ایک طرح کا کشن تھا، اس کی عدم موجودگی میں ہندو انتہاپسندوں کی مربی تنظیم آر ایس ایس اپنے ایجنڈے کو لاگو کرنے میں اب کوئی پس و پیش نہیں کرے گی۔ انھوں نے گفتگو میں واضح کیا کہ ''اکثریت ملتے ہی وہ کشمیر کے حوالے سے بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ کو پہلی فرصت میں ختم کروا کے ہی دم لیں گے''۔ ان کا ایک اور رونا تھا کہ جموں و کشمیر اسمبلی میں وادی کشمیر کو عددی برتری حاصل ہے۔ اس لیے اسمبلی حلقوں کی حد بندی کچھ اس طرح کروانے کی ضرورت ہے کہ جموں کے ہندو علاقوں کی سیٹیں بڑھ جائیں، جس سے ان کے مطابق سیاسی طور پر کشمیر پر لگام ڈالی جاسکے۔ اس کے علاوہ ان کا کہنا تھا کہ بھارتی مسلمانوں کو بھی سوچ بدلنی پڑے گی۔

اس سے قبل انڈین ایکسپریس سے وابستہ ایک رپورٹر نے مشرقی اتر پردیش میں امیت شا کے دورے کے دوران کارکنوں کے ساتھ ان کی ایک میٹنگ میں رسائی حاصل کی تھی۔ جہاں وہ ان کو بتا رہے تھے کہ ''مظفر نگر اور اس کے نواح میں ہوئے فسادات کا کس طرح بھرپور فائدہ اٹھا کر ہندو ووٹروں کو بی جے پی کے حق میں لام بند کرایا جائے''۔ بقول رپورٹر انیرودھ گھوشال، وہ کارکنوں کو خوب کھری کھری سنا رہے تھے، کہ مظفر نگر فسادات کا دائرہ دیگر ضلعوں تک کیوں نہیں بڑھایا گیا، تاکہ مزید انتخابی فائدہ حاصل ہو جاتا۔

جیٹلی کے گھر پر ہوئی اس ملاقات میں ان کے جس ارادے نے سب سے زیادہ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجائی وہ ان کا یہ بیان تھا کہ ''بھارت کی سبھی زبانوں کو زندہ رہنے کا حق تو ہے، مگر ان کا رسم الخط ہندی یا دیوناگری میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے''۔ ان کا کہنا تھا کہ ''اس سے بھارت کو مزید مضبوط بنانے میں مدد ملے گی۔ کشمیری زبان کا خاص طور پر ذکر کرتے

ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ''کشمیری مسلمانوں کی منہ بھرائی کر کے اس زبان کو واپس شاردا یا دیوناگری اسکرپٹ میں لانے میں پچھلی حکومتیں لیت ولعل سے کام لیتی آرہی ہیں''۔

۲۶ جنوری کو بھارت کے یوم جمہوریہ کے موقعے پر حکومت کی طرف سے اخباروں کو جاری ایک اشتہار پر نظر پڑی۔ یہ اشتہار بھارتی آئین میں تسلیم سبھی ۲۲ شیڈولڈ زبانوں میں شائع کیا گیا تھا۔ بغور دیکھنے پر بھی کشمیری یا کاشرُ زبان نظر نہیں آئی۔ بعد میں دیکھا کہ کسی نامعلوم رسم الخط میں لکھی ایک سطر کے نیچے انگریزی میں لکھا تھا کہ یہ کشمیری زبان ہے۔ یعنی سرکاری طور پر باضابطہ کشمیری یا کاشرُ کا رسم الخط شاردا میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اب اس میں شک وشبہے کی کوئی گنجایش ہی نہیں رہی کہ ریاست جموں وکشمیر کو تحلیل کرنے کے بعد کشمیری عوام کی غالب اکثریت کے تشخص، تہذیب وکلچر پر بھارتی حکومت نے باضابطہ طور پر کاری ضرب لگانے کا بھی آغاز کر دیا ہے۔ پچھلے سال اگست میں ریاست کو تحلیل کر کے اس کو مرکز کے زیر انتظام علاقہ بنا کر اس کے آئین کو بھی منسوخ کرنے کے ساتھ ریاست کی سرکاری اور قومی زبان اردو کا جنازہ نکال دیا گیا تھا۔ اردو اب کشمیر کی سرکاری زبان نہیں ہے۔ چونکہ اس علاقے پر اب بھارت کی مرکزی وزارت داخلہ کی براہ راست عمل داری ہے، اس لیے اب جموں، کشمیر ولداخ کی سرکاری زبان ہندی ہے۔ پچھلے سال ہی بی جے پی کے چند عہدے داروں نے ایک عرض داشت میں مطالبہ کیا تھا کہ ''علاقائی زبانوں کا رسم الخط ہندی میں تبدیل کر کے ملک کو جوڑا جائے''۔ اس کی زد میں براہ راست کشمیری (کاشرُ) اور اردو زبانیں ہی آتی ہیں، جو فارسی۔عربی یعنی نستعلیق رسم الخط کے ذریعے لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ اسی طرح چند برس قبل ایک موقعے پر بھارتی قومی سلامتی مشیر اجیت دوبال نے کہا تھا کہ ''کشمیر مسئلہ کا حل تہذیبی جارحیت اور اس خطہ میں ہندوازم کے احیا میں مضمر ہے''۔

یاد رہے کہ پچھلے سال کشمیر میں گورنر انتظامیہ نے کشمیری ثقافتی لباس پھیرن پر پابندی لگادی تھی۔ پہلے تو اسے سیکورٹی رسک قرار دیا گیا، جس کے بعد تعلیمی وسرکاری اداروں میں عام لوگوں اور صحافیوں کے پھیرن پہن کر داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ وزیر اعظم مودی جب بھی کسی صوبہ کے دورہ پر ہوتے ہیں، تو وہاں کے مقامی لباس وروایتی پگڑی

پہن کر عوامی جلسوں کو خطاب کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مقامی زبان کے چند الفاظ ادا کر کے عوامی رابطہ بناتے ہیں۔ لیکن ان کے ہر قدم سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیریوں کے لباس وزبان سے ان کو حد درجے کا بیر ہے۔ کشمیریوں کی نسل کشی کے ساتھ کشمیر کی ثقافت کو ختم کرنا ان کے منصوبے کا حصّہ ہے۔

کشمیری زبان کے رسم الخط کو قدیمی شاردا اور پھر دیوناگری میں تبدیل کرنے کی تجویز اس سے قبل دو بار ۲۰۰۳ء اور پھر ۲۰۱۶ء میں بھارت کی وزارت انسانی وسائل نے دی تھی مگر ریاستی حکومتوں نے اُس کو رد کر دیا۔ بی جے پی کے لیڈر اور اس وقت کے مرکزی وزیر پروفیسر مرلی منوہر جوشی نے ۲۰۰۳ء میں تجویز دی تھی کہ ’’کشمیری زبان کے لیے دیوناگری کو ایک متبادل رسم الخط کے طور پر سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور اس رسم الخط میں لکھنے والوں کے لیے ایوارڈ وغیرہ تفویض کیے جائیں۔ اس طرح کشمیری زبان کا قدیمی شاردا اسکرپٹ بھی بحال کیا جائے گا۔ سوال ہے کہ اگر کشمیری زبان کا اسکرپٹ شاردا میں بحال کرنا ہے، تو سنسکرت اور دیگر زبانوں کا قدیمی رسم الخط بھی بحال کرو۔ یہ کرم صرف کشمیری زبان پر ہی کیوں؟

وزیر موصوف نے یہ دلیل بھی دی تھی، کہ چونکہ بیشتر کشمیری پنڈت پچھلے ۳۰ برسوں سے کشمیر سے باہر رہ رہے ہیں، ان کی نئی جنریشن اردو یا فارسی رسم الخط سے ناآشنا ہے، اس لیے ان کی سہولیت کی خاطر ہندی رسم الخط کو کشمیری زبان کی ترویج کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس میٹنگ میں مرحوم وزیر اعلیٰ مفتی محمد سعید نے مرلی منوہر جوشی کو قائل کرلیا کہ ان کے فیصلہ سے پچھلے ۶۰۰ برسوں سے وجود میں آیا کشمیری زبان و ادب بیک جنبش قلم نابود ہو جائے گا۔ مجھے یاد ہے کہ کشمیری زبان کے چند پنڈت اسکالروں نے بھی وزیر موصوف کو سمجھایا کہ ’’کشمیری زبان میں ایسی چند آوازیں ہیں، جن کو دیوناگری اسکرپٹ میں ادا نہیں جاسکتا ہے‘‘۔ ان کا کہنا ہے کہ ’’ان آوازوں کو فارسی اسکرپٹ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں بھی خاصی تحقیق ومشقت کرنی پڑی ہے۔ ان کو قدیمی شاردا اسکرپٹ میں بھی اب ادا نہیں کیا جاسکتا ہے‘‘۔ کشمیری زبان میں ۱۶ حروف علت یا واولز اور ۳۵ حروف صحیح ہیں نیز چھے ڈیگراف یا Aspirated Consonents ہیں۔ وزیر موصوف، جو خود بھی ایک اسکالر تھے، کسی حد تک قائل ہوگئے اور یہ تجویز داخل دفتر کی گئی۔ مودی حکومت نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جب شمال مشرقی صوبہ اڑیسہ میں بولی جانے والی اوڑیہ زبان کو کلاسک

زبان کا درجہ دیا، تو کشمیر کی ادبی تنظیموں کی ایما پر ریاستی حکومت نے بھی کشمیری زبان کو یہ درجہ دلانے کے لیے ایک یادداشت مرکزی حکومت کو بھیجی۔ فی الحال تامل، سنسکرت، کنڑ، تیلگو، ملیالم اور اوڑیہ کو بھارت میں کلاسک زبانوں کا درجہ ملا ہے۔ کلاسک زبان قرار دیے جانے کا پیمانہ یہ ہے کہ زبان کی مستند تاریخ ہو اور اس کا ادب وتحریریں ۱۵۰۰ سے ۲۰۰۰ سال قدیم ہوں۔ اس کے علاوہ اس کا ادب قیمتی ورثے کے زمرے میں آتا ہو۔ نیز اس کا ادب کسی اور زبان سے مستعار نہ لیا گیا ہو۔ چونکہ ان سبھی پیمانوں پر کشمیری یا کاشُر زبان بالکل فٹ بیٹھتی تھی، اس لیے خیال تھا کہ یہ عرض داشت کسی لیت ولعل کے بغیر ہی منظور کی جائے گی۔ عرض داشت میں بتایا گیا تھا کہ ''کشمیری زبان سنسکرت کی ہم عصر رہی ہے نہ کہ اس سے ماخوذ ہے۔ بھارت میں جہاں آجکل تاریخ کو مسخ کیا جارہا ہے، وہیں مختلف زبانوں کے ماخذ بھی سنسکرت سے جوڑے جارہے ہیں۔ تب، مرکزی حکومت نے بتایا کہ کشمیری واقعی کلاسک زبان قرار دیے جانے کی اہل ہے، مگر شرط رکھی کہ اس کے لیے اس کا رسم الخط سرکاری طور پر دیوناگری یعنی ہندی تسلیم کرنا ہوگا''۔

سوال یہ ہے کہ بھارتی حکومت کشمیری زبان کے رسم الخط کو تبدیل کرنے پر کیوں اصرار کررہی ہے؟ کشمیر کے آخری تاجدار یوسف شاہ چک کی ملکہ حبہ خاتون (زون) ہو یا محمود گامی یا عبدالاحد آزاد، غلام احمد مہجور یا مشتاق کشمیری چونکہ عام طور پر سبھی کشمیری شاعروں نے اس خطے پر ہونے والے ظلم وستم کو موضوع بنایا ہے اور تحریک آزادی کو ایک فکری مہمیز عطا کی ہے، اسی لیے شاید ان کے کلام کو بیگانہ کرنے کے لیے زبان کے لیے تابوت بنا جارہا ہے۔ پچھلے ۷۰۰ برسوں میں علم دار کشمیر شیخ نورالدین ولی ہو یا لل دید، رسول میر، وہاب کھار یا موجودہ دور میں دینا ناتھ نادم، سوم ناتھ زتشی رگھناتھ کستور، واسدیو ریہہ، وغیرہ، غرض سبھی نے تو نستعلیق رسم الخط کو ہی اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق وادی کشمیر اور وادی چناب میں ۶ء۸ ملین افراد کشمیری زبان بولنے والے رہتے ہیں۔ آزاد کشمیر کے نیلم اور لیپا کی وادیوں میں مزید ایک لاکھ ۳۰ ہزار افراد کشمیری کو مادری زبان قرار دیتے ہیں۔ علاقوں کی مناسبت کے لحاظ سے کشمیری زبان کی پانچ بولیاں یا گفتار کے طریقے ہیں۔ کسی کشمیری کے گفتار سے ہی پتا چلتا ہے کہ وہ ریاست کے کس خطے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان میں مرازی (جنوبی کشمیر) کمرازی (شمالی کشمیر) یمرازی (وسطی کشمیر)،

کشتواڑی (چناب ویلی) اور پوگلی (رام بن) ہیں۔ جرمنی کی لیپزیگ یونی ورسٹی کے ایک محقق جان کومر کے مطابق کشمیری زبان آرین زبانوں کی ایک مخصوص فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قواعد اور تاریخی جائزوں کے مطابق اس کا ایرانی یا انڈین زبانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چونکہ سنسکرت اور کشمیری زبانیں ہم عصر رہی ہیں، اس لیے ان میں لفظوں کی ادلا بدلی موجود ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کشمیری کو انڈو۔ داردک فیملی کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ اس گروپ میں چترالی، شینا، سراجی، کوہستانی، گاوی اور تورووالی زبانیں آتی ہیں۔ اگرچہ کشمیر کی قدیم تاریخ راج ترنگنی سنسکرت میں لکھی گئی ہے، مگر اس میں کشمیری زبان بہ کثرت استعمال کی گئی ہے۔

کشمیری وازہ وان، یعنی انواع قسم کے پکوانوں کے ساتھ ساتھ کشمیری زبان اور اس کا ادب بھی کشمیر کے باسیوں کی ہنرمندی اور ان کے ذوق کی پہچان ہے۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں کو اس کا نوٹس لے کر کشمیری زبان وثقافت کے بچاؤ کی تدبیریں کرنی چاہییں۔ کم سے کم یونیسکو کے ذمہ داروں کو باور کرائیں کہ ایک زندہ قوم سے اس کی ثقافت بزور طاقت چھینی جا رہی ہے۔ اس صورتِ حال کو اُجاگر کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کی شدید ضرورت ہے۔ ہوسکے تو دنیا کے مختلف شہروں میں کشمیری ثقافت، آرٹ، فن تعمیر و زبان کی نمایش کا اہتمام کیا جائے۔ اگر اب بھی نہ جاگے تو بے رحم تاریخ پاکستان اور آزاد کشمیر کے حکمرانوں کو کبھی معاف نہیں کرے گی:

بادِ صبا اگر بہ جنیوا گزر کنی
حرفے ز ما بہ مجلسِ اقوام باز گوے
دہقان وکشت و جوے و خیابان فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

[بادِ صبا اگر جنیوا کی طرف تیرا گزر ہو تو مجلسِ اقوام تک ہماری یہ بات پہنچا دینا۔ دہقان، اس کی کھیتی، ندیاں، پھولوں کی کیاریاں سب کو فروخت کر دیا۔ ساری قوم کو فروخت کر دیا اور کس قدر ارزاں فروخت کر دیا۔]